ڈاکٹر کنیز بتول

بنگلا دیش کی اُردو شاعری میں مقامی خصوصیات کی عکاسی

کسی زبان کا شعر و ادب مقامی خصوصیات کے اثرات سے بالکل آزاد نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ ادب کا سماجی زندگی و ماحول کے ساتھ چولی دامن کا رشتہ ہے۔ اردو کے تین اہم مراکز (دکن، دہلی، لکھنؤ) کی بنیاد اسی اصول کے تحت پڑی تھی۔ بنگلا دیش کی اُردو شاعری بھی اس اصول سے مستثنیٰ نہیں۔ مذکورہ خصوصیات کا جائزہ لینے سے قبل بنگلا دیش میں اُردو شاعری کے آغاز اوراس کے رجحانات سے متعلق چند تاریخی واقعات کی نشان دہی ضروری سمجھتی ہوں۔

مشرقی بنگال (بنگلا دیش) میں اُردو شاعری کی بنیاد نائب ناظم نواب شمس الدولہ (۱۷۷۰۔۱۸۳۰) کے درباری شاعر طپش دہلوی کے ہاتھوں پڑی۔(1) طپش کو ڈھاکا میں تقریباً بارہ سال رہنے کا موقع ملا تھا۔ ڈھاکے میں قیام کے دوران رفتہ رفتہ طپش کے تلامذہ کا ایک گروہ بنگلا دیش میں بھی پیدا ہو گیا تھا۔ طپش خواجہ میر دردؔ دہلوی (۱۷۲۰۔۱۷۸۵ء) کے تلامذہ میں تھے۔اس نسبت سے یہاں اُردو شعر و شاعر کا سلسلہ دہلوی رنگ میں فروغ پاتا رہا۔

نائب ناظمان کے زوال کے بعد جب خواجگاں کشمیری کو ڈھاکے کی نوابی ملی تو ان کی سرپرستی میں یہاں اُردو شعر و ادب کو بڑا فروغ حاصل رہا لیکن نوابان ڈھاکا کو انگریز حکومت کی پشت پناہی اور دولت کی فراوانی نے جب رفتہ رفتہ عیش و عشرت کی طرف مائل کر دیا تو ان کا فطری رجحان لکھنؤ اسکول کی طرف مبذول ہونے لگا۔ یہی وجہ ہے کہ عبدالغفور نساخ (۱۸۳۳۔۱۸۸۹ء) کے بعد تمام شعراء میں کم و بیش دبستان لکھنؤ کے خارجی اثرات نمایاں ہیں۔

دبستان اُردو کے تاریخی مطالعہ سے یہ آگاہی ہوتی ہے کہ بنگلا دیش میں طپش سے

شرفُ الحسینی (۱۸۷۶ء۔۱۹۶۰ء) تک اُردو شاعری دہلی اور لکھنؤ کے روایتی اسکول کی ایک حد تک پابند رہی۔

مقامی خصوصیات:

مقامی خصوصیات سے مراد ہے کسی مقام کے سیاسی و سماجی حالات اور فطری مناظر۔ بنگلا دیش کی اُردو شاعری میں ان خصوصیات کی براہ راست ترجمانی کا آغاز تقسیم ہندوستان (۱۹۴۷ء) کے بعد ہوا۔ اس دور کے شعراء کو شاعرانہ تفکر و نوعیت کے لحاظ سے دو خانوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ایک کہنہ مشق روایتی شعراء کا گروہ جس میں شرف الحسینیؔ، ڈاکٹر عندلیب شادانیؔ، مرزا فقیر محمدؔ، خواجہ محمدؔ، اسماعیل ذبیحؔ، طوطئ بنگالہ مولانا رضا علی وحشتؔ، سلیم اللہ فہمیؔ، آصف بنارسیؔ، حکیم ناطق لکھنؤیؔ وغیرہ کے نام نمایاں ہیں۔ جن کے دم سے اُردو کی صحت مند روایت مضبوط رہی۔

دوسرا سجاد ظہیر کے ہم خیال شعراء کا گروہ جو ترقی پسند خیالات کا حامی تھا۔ اس حلقے میں تقریباً ننانوے فی صد (۹۹ %) شعراء ہندوستان سے آئے ہوئے مہاجر تھے۔ جنھوں نے بنگلا دیش (سابق مشرقی پاکستان) کی جمہوری زندگی کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا اور یہاں کی عوامی تحریکوں کو سمجھنے کے بعد شاعری کے لطیف پیرائے میں بیان کرنے کی کامیاب سعی کی۔ اس حلقے کی تفصیل آئندہ صفحات میں بیان کی جائے گی۔ مقامی خصوصیات کی توضیح کے لیے ڈاکٹر حنیف فوقؔ کا مضمون ''مشرقی پاکستان میں اُردو ادب اور ادیبوں کے مسائل'' سے اقتباس ذیل نقل کرتی ہوں۔

> ''مشرقی پاکستان کے اُردو ادب کے سرسری مطالعہ سے بہرحال یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ شعر و نغمہ کی اس سرزمین میں اُردو ادب کا موجودہ دور ایک نئے ادبی مستقبل کی بشارت دے رہا ہے۔ اُردو کے لکھنے والوں میں یہ ہما ہمی، یہ سرگرمی اور تازہ کاری ایک جہانِ تازہ تخلیق کر رہی ہے۔ یوں تو

> پورے اُردو ادب کی تہذیبی روایات اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔ لیکن مشرقی پاکستان کی لہراتی ہوئی ندیوں، سدا بہار ہریالوں، دھان کی لہلہاتی ہوئی کھیتیوں اور دریاؤں کو چیرتی ہوئی کشتیوں کی مقامی خصوصیات بھی اپنے اندر جذب کر رہا ہے۔ اس کا واسطہ صرف فطرت کی رنگینی ہی سے نہیں بلکہ یہاں کے باشندوں کی جدوجہد سے بھی ہے۔ اس لیے یہ بات وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ جمہوری رجحانات مشرقی پاکستان کے اُردو ادب میں زیادہ نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔''(۲)

یہ بات بلا تامل کہی جاسکتی ہے کہ۔ ۱۹۴۷ء کے بعد یہاں کے ملاّح، اور ان کے درد بھرے بھٹیالی گیت، دریاؤں اور تالابوں کے گھاٹ پر پانی بھرنے والی سانولی دوشیزاؤں کا جمگھٹ، اسٹیمر، لانچ، کشتی پر سفر، سرسبز لہلہاتے ہوئے دھان اور پاٹ کے کھیت، ناریل اور سپاری کے درختوں کی قطاریں، سیلاب اور طوفان سے جرأت مندانہ مقابلہ کرتے ہوئے مفلوک الحال کسان اور ان کی پر خلوص محبت نے باشعور شعراء کے دل کو متاثر کیا، تو ان کے لیے بنگلا دیش (سابق مشرقی پاکستان) کا دکھ سکھ ان کی اپنی کہانی محسوس ہونے لگی اور ان غم و مسرت کی باتوں کو شعری جامہ پہنانے لگے۔ اس طرح یہ فنکار بنگلا دیش کے پلّی کوبی، (دیہی شاعر) جسیم الدین کے ہم خیال ہو گئے تفکر و موضوعات کے نوع سے بنگلا و اُردو کی شعری و نثری نگارشات میں ہم آہنگی پیدا ہونے لگی۔ اس مماثلت و ہم آہنگی نے اردو شعر و ادب کو بنگلا دیش کا قومی ورثہ کہلانے کا مستحق بنایا۔ ان حقیقت پسند شعراء نے صرف مقامی رنگ و ماحول کی ترجمانی نہیں کی بلکہ وقتاً فوقتاً مناسب جگہوں پر بنگلا الفاظ و محاورے بھی اُردو شعر و ادب میں فنکارانہ مہارت سے استعمال کیے۔ اس سے اردو و بنگلا دونوں زبان کی بیگانگی ایک حد تک کم ہوگئی۔ اُردو میں مستعمل بنگلا الفاظ کے ذخیرے سے چند الفاظ بہ طور مثال ملاحظہ فرمائیے۔

نوکا (کشتی) ڈاب (کچا ناریل) سپاری (چھالیہ) مانجھی (ملاح) بھٹیالی [۳] (ملاحوں کے مخصوص لوک گیت) شیتل پاٹی (بنگال کی مخصوص چٹائی) باؤل (لوک گیت کی ایک مخصوص قسم)

اس کے علاوہ بنگلا دیش میں بہنے والی ندیوں کے نام مثلاً میگھنا، بوڑھی گنگا، پدما، یہاں کے مخصوص پھولوں کے نام کرشنا چوڑا، شاپلا وغیرہ کثرت سے مستعمل ہیں۔

بہر حال بنگلہ دیش کی سرزمین سے رشتہ جوڑنے والی شاعری کا بہ غور مطالعہ کرنے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ شاعرانہ تفکر میں اس سرزمین کا حوالہ اور مقامی رنگ کو اگر اول درجہ دیا جائے تو احسن احمد اشکؔ اور نوشاد نوریؔ پہلی صف میں آتے ہیں۔ ڈاکٹر حنیف فوق کا بنیادی میدان اگرچہ تنقید نگاری ہے، لیکن فطرتاً ان کی وسیع النظری اور دور بینی نے شاعری کو بھی مفید تخیل بخشا۔ انہوں نے اپنے شعر وادب کے پاروں میں اس نغمہ وسرور کی سرزمین سے گہری وابستگی کا ثبوت پیش کیا ہے۔ ہر جگہ انہوں نے یہاں کی عوامی قدروں کی حمایت کی ہے۔ اس ضمن میں حنیف فوق کی نظم ''دھانوں کی وادی میں'' احسن احمد اشک کی نظم ''جاگتے جزیرے'' نوشاد نوری کی نظم ''باہر بھیگے پانی'' اختر پیامی کی نظم ''گنگ وجمن'' عطاء الرحمان جمیل کی نظم ''ڈھاکے کی ایک شام'' اور ''کاکس بازار'' کو بڑی مقبولیت حاصل رہی۔ اس نوعیت کے دیگر ترقی پسند شعراء میں صلاح الدین محمد، ادیب سہیل، احمد الیاس، انور فرہاد، خورشید احمر، اصفر راہی، شمیم زمانوی وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ ان ترقی پسند فنکاروں کے علاوہ جنہوں نے روایت سے رشتہ جوڑ کر حقیقت پسندی کو اپناتے ہوئے بنگلا دیش کے سیاسی وسماجی ماحول کی کم وبیش عکاسی کی ہے ان میں حافظ دہلویؔ، پروفیسر ہارونؔ الرشید، ڈاکٹر حمیدؔ خان، پروفیسر ذکیؔ آذر، زبیرؔ ارتضی، ایوبؔ جوہر، صابر علی صابرؔ، جلالؔ عظیم آبادی، قاسمؔ انیس وغیرہ کے نام لیے جاسکتے ہیں۔

اس سلسلے میں چند شعراء کا کلام بہ طور مثال ملاحظہ فرمایئے:

احسن احمد اشک بنگالی نژاد اُردو شاعر ہیں۔ ان کی پیدائش ۱۹۱۸ء کو چاٹگام میں ہوئی اور ۱۷ دسمبر ۱۹۹۳ء کو ڈھاکے میں پیوند خاک ہوئے۔ ان کے شعری مجموعے ''جاگتے جزیرے اور برق وباراں'' مشرقی بنگال (بنگلا دیش) کی جغرافیائی حدود اور اس کے جزیروں کی سیاسی ہے داری کے علاوہ غریب کسانوں کے حوصلوں اور نا امیدوں کے ترجمان ہیں۔

مثال: صف بہ صف ہرے پودے — لہلہاتے دھانوں کے
سر اٹھائے پانی میں — حوصلے کسانوں کے
آسرے تلاطم میں — ڈولتے مچانوں کے[۴]

احسن احمد اشک فطرتاً بڑے حساس اور نرم دل کے مالک تھے۔ وہ پاکستان کے سابق صدر جنرل ایوب خان کا مارشل لاء اور عوام کی بے بسی کو دیکھ کر خاموش نہ رہ سکے۔ اس کرب کا اظہار انہوں نے شاعرانہ قلم بندی سے کیا۔ ان کی دور بین نگاہوں کے سامنے وہ واقعہ گردش کر رہا تھا جو ۱۹۷ء میں انقلابی صورت میں ظہور پذیر ہوا۔ ان کی نظموں میں ''آئنہ اور جزیرہ'' بہترین سیاسی نظمیں ہیں۔ اشک اپنی نظم جزیرہ میں اس دور میں ملک کے دونوں بازوؤں (سابق مغربی پاکستان اور سابق مشرقی پاکستان) کے عوام سے اس طرح مخاطب ہیں۔

نا امیدی کے تھپڑے پے بہ پے کھائے ہوئے
دونوں ننگے دونوں بھوکے دونوں گھبرائے ہوئے

اتفاقاً ایک چھوٹا سا جزیرہ مل گیا
سانس لینے کو ہمیں تھوڑا سا وقفہ مل گیا

یاس اور امید کی کل بندھنوں کو توڑ کر
آؤ سو جائیں پرندوں کی طرح سر جوڑ کر

جانے کب ہم چھوٹ جائیں اس بھیانک خواب سے
یہ جزیرہ ڈوب جائے یک بیک سیلاب سے[۵]

نوشاد نوری ۱۹۵۰ء کے بعد ہندوستان (ضلع دربھنگہ بہار) سے ہجرت کر کے ڈھاکا آئے۔ یہاں کی آب وہوا ان کو ایسی بھائی کہ بنگال کے ہو رہے اور ایک طویل مدت گزارنے

کے بعد ۷ اجولائی ۲۰۰۰ء کو ڈھاکے میں پیوند خاک ہوئے۔ ان کا شعری مجموعہ ''رہ ورسم وآشنائی'' (۲۰۰۰ کلکتہ) اور ''روزن دیوار'' (۲۰۰۲ ڈھاکا) اشاعت پذیر ہے۔ نوشاد نوری کی شاعری کا بیشتر حوالہ بنگلا دیش کی سرزمین ہے۔ ان کی نظموں میں بنگلا دیش کی سیاسی کش مکش، سماجی زندگی، اور فطری مناظر بہ خوبی دیکھے جا سکتے ہیں۔

نوشاد کے حسب ذیل اشعار میں مناظر فطرت کی عکاسی ملاحظہ فرمائیے:

چتر کلا سے جس کے دل تک پہنچی بنگلہ رانی
لوک کتھا سے جس نے جانی اس کی رام کہانی
جس نے لانچ کے چھت سے دیکھا ندی نو کے گھاٹ
جھپتے دن کی د ہند لاہٹ میں ڈاب، سپاری پاٹ (۶)
(باہر بھیگے پانی)

نوشاد کی نظم ''موہنجوڈارو'' سے چند اشعار ملاحظہ ہوں جو انہوں نے ۱۹۵۲ع میں بنگلا دیش کی لسانی تحریک کے پس منظر میں لکھی۔

میرے شہر کے رہنے والو! اپنی پوتھی، اپنی گیتا
اپنی اپنی لوگ کتھائیں اپنی اپنی گیتی مالا
اپنا اپنا حرف تہجی اپنی اپنی بولی بھاشا
پتے پتھر پوست پپارس تانبے، لوہے پر لکھ رکھنا
وہی وبا پھر پھوٹی ہے وہی بلا پھر ٹوٹی ہے (۷)

ڈاکٹر حنیف فوق ۱۹۵۰ء سے قیام بنگلا دیش تک، شعبۂ اُردو و فارسی ڈھاکا یونیورسٹی سے منسلک رہے ۱۹۷۲ء میں کراچی ہجرت کر گئے۔ انہوں نے بنگلا دیش کے ماحول کا گہرا اثر لیا۔ شاعری میں ان کی نظم ''دھانوں کی وادی میں'' اس کی بہترین مثال ہے۔ چند اشعار بہ طور نمونہ رقم کیے جاتے ہیں:

یہ وادی جو دھانوں کے موتی اچھالے
یہ دریا ہیں گیتوں کے لہروں کے پالے

چلیں کشتیاں مانجھیوں کے حوالے
اڑاؤ نشان ظفر ساتھیو (۸)

عطاء الرحمان جمیؔل کی شاعری بنگلا دیش میں پروان چڑھی۔ ان کی شاعری کی جڑیں بنگلا دیش میں پیوست ہیں۔ وہ ۱۹۴۸ء میں ڈھاکا آئے اور اسے اپنا وطن بنایا۔ ان کی شاعری ۱۹۴۷ء سے موجودہ دور تک کا احاطہ کرتی ہے۔ وہ اب بنگلا دیش کے کہنہ مشق شعراء میں شمار کیے جاتے ہیں۔ جمیل بنگلا دیش کے ماحول کی عکاسی بنگلا رمزو کنائے میں پیش کرتے ہیں۔ ان کا قوت مشاہدہ بڑا اعلیٰ ہے جمیل کی نظم ڈھاکے کی ایک شام سے چند اشعار بہ طور نمونہ پیش نظر ہوں۔

لمس کس کا یہ سرشام ہوا ہے محسوس
کتنے آغاز ہوا ہے محسوس

کوئی سایہ کہیں چپکے سے گزر جاتا ہے
اک اجالا سا ہے تاحدّ نظر جاتا ہے

میں نے خاروخس و خاشاک میں جینا سیکھا
میں نے دام تہ افلاک میں جینا سیکھا

بوڑھی گنگا کے کناروں پہ ہے کشتی کی قطار
ڈولتے ڈولتے آجائے گی بجروں میں بہار (۹)

ڈاکٹر حمید خاںؔ ۱۹۴۷ء میں بنگلا دیش (سابق مشرقی پاکستان) آئے اور ۱۹۷۱ء تک اسی سرزمین میں ان کا قیام رہا۔ ایک عرصے تک وکٹوریہ کالج کملا کے پرنسپل رہے۔ وہ بنگلا دیش کے ادبی رجحان کو اپنانے کے قائل تھے۔ ۱۹۹۹ء میں ان کی وفات امریکا میں ہوئی۔ (۱۰)

۴۳ اشعار کی ان کی طویل نظم ''حسن بنگالہ'' میں بنگلا دیش کی فطری مناظر کی عکاسی ملتی

ہے۔ چند اشعار بہ طور مثال ملاحظہ فرمائیے:

ہر ایک تشنہ کام آج سیراب ہے
وہاں ہر طرف آب ہی آب ہے
طراوت سے پاکر نئی آن بان
نہائے ہوئے رقص کرتا ہے دھان
بچھی سبز مخمل جدھر جائے
زمّرد کو دامن سے بھر لائے
سپاری کے وہ نازک اندام پیڑ
کہ ہلکا سا جھونکا بھی دے ان کو چھیڑ (۱۱)

بنگلا دیش کے اُردو ادب کی تاریخ میں ادیب سہیل ترقی پسند ادبی تحریک کے حامیوں میں تھے۔ ۱۹۴۷ء کے بعد بنگلا دیش (سابق مشرقی پاکستان) آئے اور ۱۹۷۴ع میں کراچی ہجرت کر گئے۔ ان کا شعری مجموعہ ''بکھراؤ کا حرف آخر'' ۱۹۷۱ع (قیام بنگلا دیش) تک بنگلا دیش کی لسانی و سیاسی کش مکش کے علاوہ سماجی ماحول کا ترجمان ہے۔ اس ضمن میں ان کی مشہور نظم ''سمندر اور قطرے'' ایک تاریخی باب کی حیثیت رکھتی ہے۔ ''طوفان نوح'' (۱۲ نومبر ۱۹۷۰ء) چاٹگام کے سمندری طوفان کی تباہ کاریوں پر مشتمل ہے۔ ''تم دھرتی ہو'' (بیگم صوفیہ کمال کے نام) میں انہوں نے بنگلا زبان کے مشہور شاعرہ صوفیہ کمال کو خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ ''سنہرا دیش'' میں قدرتی مناظر کی عکاسی ہے۔ ادیب سہیل کے بیشتر اشعار بنگلا زبان اور زمین سے والہانہ عشق پر مبنی ہیں۔ مثال کے طور پر چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

تجربہ کہتا ہے میرا یہ عزیزو تم سے
رہنا جس مٹی پہ اس مٹی کا ذرہ ہو نا (۱۲)

نوکاہ، چند ندی کی لہریں اور بھٹیالی راگ
آگنی بان چلاتی ہے یہ شیتل شیتل آگ

پدما تیرے کنارے دیکھا میگھ کا اصلی روپ
تیری ہی آغوش میں جانا کیا ہے ملار (۱۳) کی آگ
یہ بنگال کا سنہرا بندھو گیت اور پیارا دیش
ندی نالے چاہت چھلکیں، لے سے پھوٹے راگ (۱۴)

انور فرہاد سابق مشرقی پاکستان (بنگلا دیش) میں ۱۹۶۰ء کی دہائی میں نمایاں ہونے والے ان نوجوان ترقی پسند شعراء میں تھے جنہوں نے فیض احمد فیض کی پیروی کی۔ فرہاد کے بیشتر اشعار بنگال کی آب و ہوا اور مٹی سے منسلک ہیں۔ نمونہ کے طور پر چند اشعار پیش کیے جاتے ہیں۔

لہراتے بل کھاتے آنچل، کالے ناگ سے گیسو
شرمیلی آنکھوں سے جھانکے اس بنگال کا جادو
سب الھڑ دوشیزاؤں کے دہکے دہکے گال
ہرا بھرا بنگال اے ساتھی ہر ابھرا بنگال (۱۵)

احمد الیاس کی شاعری ۶۰ء کی دہائی سے رواں دواں نظر آتی ہے لیکن قیام بنگلا دیش کے بعد اُردو شعر و ادب کے فروغ میں تخلیقی نگارشات کے ذریعہ ترقی پسند خیالات و رجحانات کی ترویج و ارتقاء میں جن مشاہیر ادب نے حصہ لیا ان میں احمد الیاس ایک اہم فنکار کی حیثیت سے پہچانے جاتے ہیں۔ احمد الیاس فخر کے ساتھ فیض احمد کی تقلید کرتے ہیں۔ ان کی شاعری پر سو فیصد فیض کا اثر نمایاں رہتا ہے۔ مگر انہوں نے فیض کی نقالی نہیں کی، ان سے اکتساب کیا ہے۔ ان کا ایک انفرادی رنگ ہے۔ انہوں نے یہاں کے جمہوری تقاضوں کو اپنی شعری نگارشات میں پیش کرنے کی کامیاب سعی کی۔ ان کی نظم ''دعا، شہر آشوب، ۷۱ کی آخری رات، طوفان'' وغیرہ میں بنگلا دیش کی سیاسی کش مکش سے پیدا ہونے والے کرب ناک نتائج کی جھلک نمایاں ہیں۔ وہ اپنے شاعرانہ تفکر کا اظہار رمز و کنائے میں کرتے ہیں۔ احمد الیاس کا شعری مجموعہ ''آئینہ ریزے'' ۱۹۸۹ع میں ڈھاکا سے شائع ہوا۔ ان کی نظم ''طوفان'' سے چند اشعار بہ طور مثال پیش کیے جاتے ہیں۔

تو کیا وہ کشتی کسی کنارے پہ لگ چکی ہے
جو میگھنا کی ابھرتی اور سرکشیدہ لہروں پہ بہ رہی تھی
وہ بوڑھا ملاح اور کشتی کے سب مسافر
وہ بھاگتے لوگ راستوں پر
نئی امیدوں کا بوجھ اپنے سروں پر رکھ کر
گھروں میں اپنے پہنچ چکے ہیں

ذکی آذر (۱۹۴۰ء۔۱۹۹۰ء) ۱۹۴۸ء میں اپنے والدین کے ہمراہ بنگلا دیش (سابق مشرقی پاکستان) آئے اور ۱۹۷۴ء میں ایک طویل مسافت گزارنے کے بعد اسلام آباد پہنچے۔[۱۶]

ذکی آذر کی شاعری میں سب سے اعلیٰ خوبی حقیقت پسندی ہے۔ شاعرانہ گروہ بندی سے انہیں کوئی سروکار نہ تھا۔ آذر کا فکری رجحان روایت سے رشتہ جوڑ کر سابق مشرقی پاکستان کے جدید رجحان کی طرف مائل رہا۔ ایک حساس شاعر کی طرح انہوں نے اپنے اردگرد کے ماحول سے تاثر لیا اور اسے شعری نگارشات میں پیش کرنے کی کامیاب سعی کی۔ ان کی شاعری میں بنگلا دیش کے حسین مناظر کی عکاسی بھی ہے اور دو ہجرتوں کا کرب بھی "زرد مہتاب" (بوڑھی گنگا کے کنارے جہاں شہر ڈھاکا آباد ہے) "من کی آگ، دربدری" ان کی اچھی نظمیں ہیں۔ چند اشعار بہ طور مثال ملاحظہ فرمائیے۔

جادو کا یہ دیش[۱۷] پریتم! دھانوں کا گہوارا
مٹی یہاں کی سونا ہے اور پھول یہاں کا تارا
پھر بھی میں نے قحط کا بادل دیکھا ہر سو چھایا
جادو کا یہ دیش پریتم! مجھ کو کبھی نہ بھایا[۱۸]

(من کی آگ)

تھا گرد سے اٹا ہوا سر پر چمکتا چاند
اور ذرہ ذرہ ریت کا تھا اک جھلکتا چاند

دریا کا پانی خون سے گل رنگ ہوگیا
خاموش دیکھتا رہا تنہا چمکتا چاند
آذر لہوترنگ نہ ہو کیوں غزل کہ آج
گزرا ہے گنگناتا ہوا کچھ سسکتا چاند[۱۹]

(غزل)

حافظ دہلوی (۱۹۲۴ع۔۱۹۹۵ع) ۱۹۵۰ع میں دہلی سے ہجرت کر کے ڈھاکے آئے اور سابق مشرقی پاکستان (بنگلا دیش) کو اپنا وطن ثانی بنایا۔ ۱۹۷۱ع کے بعد بنگلا دیش کے روایتی شعراء کے گروہ میں ان کا درجہ صف اوّل میں ہے۔ بنیادی طور پر وہ غزل کے شاعر ہیں۔ وقتاً فوقتاً نظمیں بھی لکھی ہیں۔ ان کی شاعری میں عصری عہد کے تلخ حقائق کی غمازی بھی نظر آتی ہے اور روایت کی دل کشی بھی۔ حافظ کی نظموں میں "شہر دسترس، بھومی، لیل ونہار، استغاثہ اور سلارک" خاص طور پر قابل ذکر ہیں اشعار ملاحظہ ہوں۔

اک بہانہ ملا کاٹ ڈالی زبان نعرۂ حق جو منہ سے رواں ہوگیا
اب تو خوشیاں مناؤ چراغاں کرو قاتلو! اب تو میں بے زباں ہوگیا[۲۰]

میگھنا کا پرجوش شباب   پدما کی لہروں کا خواب
چٹوگرام کی آب وتاب   ڈھاکے کا تاریخی باب
پیارے بنگلا دیش کی آن
اپنی دھرتی کے دربان
آٹھ کروڑ انسان[۲۱]

شمیم زمانوی، جلال عظیم آبادی، صابر علی صابر، قاسم انیس وغیرہ ۱۹۷۱ع کے بعد ابھرنے والے شعراء کی صف اوّل میں شامل ہیں۔

شمیم زمانوی ترقی پسند نظریات کے حامی اور رجائی شاعر ہیں۔ انہوں نے فیض احمد فیض،

احمد ندیم قاسمی اور احمد فراز سے گہرا تاثر لیا ہے۔ شمیم سماج اور زمانے کی ستم ظریفی کا شکوہ جرأت مندی سے کرتے ہیں۔ لسانی تنازعہ سے بنگلا دیش میں زبان اُردو کو جو زک پہنچی اس نے ان کے حساس دل کو شدید طور پر متاثر کیا اور اس درد کو انہوں نے چھپایا نہیں بلکہ اس کا اظہار پُراثر انداز میں اپنے اشعار میں کرتے آرہے ہیں۔ ان کی نظمیں ''ہماری زبان، لات ومنات'' وغیرہ اسی حوالے سے لکھی گئی ہیں۔

مثال:

ہر ایک شے میری لے لو، زبان مت چھینو
میری زبان میری تہذیب کی امانت ہے
میری زبان مرے اجداد کی وراثت ہے
میری زبان، میری قومیت کی پہچان ہے

(ہماری زبان)

جلال عظیم آبادی شعر گوئی میں روایت کے پابند ہیں۔ لیکن ان کا فکری رجحان جدید ہے۔ ایک اچھے شاعر کی طرح حساس دل رکھتے ہیں۔ ان کی شاعری میں فطری مناظر اور سماجی ماحول کی عکاسی نظر آتی ہے۔ ان کی نظم ''بیساکھ'' سے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

یہ بیساکھ ہم لوگ کہتے ہیں جس کو
ہے جوبن کا موسم بہاروں کا موسم
ہوا ہلکی ہلکی فضا مہکی مہکی
یہ دھانی سماں زرنگاروں کا موسم (۲۲)

حسب ذیل شعر میں بنگلا دیش میں مذہب پرستی کے خلاف جو بحران چل رہا ہے اس پر طنز کیا ہے:

مسلماں ہو کے بھی مسلم کو فنڈامنٹلسٹ کہنا
یہ کس نے تیرے منہ میں بھی کلنٹن کی زبان رکھ دی (۲۳)

صابر علی صابر بنگلا دیش کے مقبول شعراء میں شامل ہیں۔ وہ روایت سے رشتہ جوڑ کر

جدیدیت کو اپنانے کے قائل ہیں۔ ان کی شاعری میں ماحول وعصری سیاست کی عکاسی ملتی ہے۔ چند اشعار بہ طور نمونہ پیش کیے جاتے ہیں جن میں ۱۹۷۱ء کے بعد بنگلا دیش کے اقتصادی حالات کی عکاسی ہے:

آپشن دلوا کے بھٹو ہم کو پھنسوائیں گے کیا
پینترے لاکھوں ہیں ان کے ہم سمجھ پائیں گے کیا
اس سنہرے دیس میں روزی نہیں روٹی نہیں
ہم نے یہ مانا کہ ڈھاکا میں رہیں گے کھائیں گے کیا (۲۴)

قاسم انیس بنگلا دیش کے ایک پرگو شاعر ہیں۔ ان کی شاعری میں اردگرد کے ماحول کی تصویر نظر آتی ہے۔ حالات حاضرہ کی ترجمانی کرتے ہوئے حقیقت پسندی سے کام لیتے ہیں۔

ان کی نگارشات میں بنگلا دیش کے مفلوک الحال طبقے کی پرسوز زندگی کی عکاسی ملتی ہے۔ بہ طور مثال ان کے چند غیر مطبوعہ اشعار ملاحظہ فرمائیے۔

صبح کو روٹی ڈھونڈنے نکلے اپنے اپنے گھر سے لوگ
شام کو ایسے لوٹے جیسے لوٹے ہیں محشر سے لوگ

کوڑے کرکٹ سے مقدر کا لکھا چننے کو
پھول سے بچے چلے پاؤں میں چکر لے کر

جیسے سیرت کی جھلک صورت میں ہو اس خوف سے
آئنہ اب سامنے رکھنے سے گھبراتے ہیں لوگ

مذکورہ شعراء کے نگارشات کا غائر مطالعہ کرنے کے بعد ہم بلاشبہ یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ روایتی اور ترقی پسندانہ رجحانات کے ساتھ بنگلا دیش کا دبستان شاعری مقامی خصوصیات کے اثرات سے بھرپور ہے۔

منابع و ماخذ:

۱۔ اقبال عظیم: مشرقی بنگال میں اُردو چاٹگام ۱۹۵۴ء ص ۲۶
۲۔ ڈاکٹر حنیف فوق: مثبت قدریں، ڈھاکا، بار اول ۱۹۶۸ء ص ۱۰۷
۳۔ بھٹیالی ماخوذ ہے بھاٹ سے جس کے معنی اتار کے ہیں جو ملاح اس گانے کو اس وقت گاتا ہے جب کشتی اپنے آپ ہواؤں کے رخ پر رواں ہوتی ہے اس لیے اس گانے کا نام بھٹیالی پڑ گیا۔
۴۔ احسن احمد اشک: جاگتے جزیرے (شعری مجموعہ) انجمن پریس کراچی ۱۹۶۲ع ص ۵۰
۵۔ ایضاً ص ۱۶
۶۔ سہ ماہی (رسالہ) روشنائی کراچی جولائی تا ستمبر ۲۰۰۰ع ص ۱۹۳
۷۔ روزن دیوار، جولائی ۲۰۰۲ع، ڈھاکا ص ۸۲
۸۔ افکار اگست ۱۹۵۴ع
۹۔ انتخاب (رسالہ) ڈھاکا نومبر ۱۹۸۶ع ص ۹۷
۱۰۔ ہارون الرشید: محفل جو اجڑ گئی، زین پبلیکشنز ناظم آباد کراچی ۲۰۰۲ع ص ۵۷
۱۱۔ شانتی رنجن بھٹا چاریہ، اُردو ادب اور بنگالی کلچر، مغربی بنگال اُردو اکیڈمی کلکتہ ۱۹۸۲ع ص ۶۷
۱۲۔ ادیب سہیل: بکھراؤ کا حرف آخر (شعری مجموعہ) سعد پبلیکشنز، ناظم آباد کراچی ۱۹۹۸ع ص ۱۲۰
۱۳۔ برسات کی ایک راگنی
۱۴۔ شش ماہی قلم کار ڈھاکا جنوری ۱۹۶۱ع، نگراں احسن احمد اشک ۱۹۲۲ع
۱۵۔ کنیز بتول: بنگلہ دیش میں اُردو ادب (۱۹۴۷ع تا ۱۹۹۰ع) تحقیقی مقالہ (غیر مطبوعہ) ص ۱۹۲
۱۶۔ ذکی آذر: ''حاصل سفر'' (شعری مجموعہ) ایجوکیشنل پریس کراچی ص ۷
۱۷۔ سابق مشرقی پاکستان
۱۸۔ حاصل سفر (شعری مجموعہ) ۱۹۹۴ع، کراچی ص ۱۱۳
۱۹۔ ایضاً ص ۴۸
۲۰۔ حافظ دہلوی: آندھیوں میں چراغ (شعری مجموعہ) کراچی پاکستان ۲۰۰۰ع ص ۱۲۵
۲۱۔ اُردو ادب اور بنگالی کلچر، ص ۸۴
۲۲۔ کہکشاں (شعری مجموعہ) جلیل عظیم آبادی ڈھاکا ۲۰۰۴ع ص ۹۹
۲۳۔ ایضاً ص ۱۱۵
۲۴۔ اُردو ادب اور بنگالی کلچر ص ۱۶۳

☆☆☆